شہ بتہ چترِ سیہ می چمید — اوّلِ شب صبحِ دوم می دمید
تیغ بہ پیرامنِ چترش قطار — ابر یکے قطرہ آتشش ہزار
بود بیک جائے صفِ تیغ و تیر — ہم چو نیستاں بلبِ آب گیر
بانگِ رد وارو کہ برآمد بلند — غلغلہ در گنبدِ گردوں فگند
کوکبہ چوں فلک آراستہ — گردِ ظفر تا بہ فلک خاستہ
شاہ بدروازۂ دولت شتافت — داد بدروازہ کشادے کہ یافت
توسنِ شہ راز نثارِ ہنگاں — گشت مکلّل بجواہر عناں
کوس خبر کرد بگوش از خروش — وز خبرش بیخبری یافت گوش
نغمہ مطرب ز گلوگاہِ ساز — گوشِ نیوشندہ ہمی کرد باز
ماہوشاں چرخ زناں پای کوب — گشتہ بمو ازرہِ شہ خاکروب
شاہ بنظّارۂ آں کارگاہ — نرم تریں راند فرس را براہ
نرم ہمی راند و عناں می کشید — تا بشرف خانۂ دولت رسید
بسکہ فشاندند ز ہر سو نثار — فرشِ زمیں شد ز دُرِ شاہوار
جشنِ فریدون و طرب گاہِ جم — تازہ شد از مجلسِ شاہِ عجم
از دلِ خواہندہ بتاراجِ گنج — خواستہ می داد و ہمی بُرد رنج

ملک نظام الدین کا انجام

امیر صاحب نے تو کیقباد کو دلّی پہونچا کر مثنوی کا قصہ ختم کر دیا ہے۔ مگر تواریخ[1] سے ثابت ہی کہ کیقباد نے دلی پہونچے

[1] تاریخ برنی و بدایونی ۱۲

کے بعد سلطان ناصرالدین کی وہ نصیحت جو بوقت وداع کی تھی

درحقِ ایں تو بجرم رہنموں   داں دگرے را بزمیں نیز خوں

یاد رکھی اور اس پر عمل کیا۔ بعض سرداروں کو قید کر دیا بعض دامن کوہ کی طرف بھاگ کر آوارہ ہو گئے۔

فیروز خاں خلجی کو شایستہ خاں کا خطاب دے کر اقطاع برن (بلند شہر) سپرد کیے گئے۔[1]

ملک نظام الدین اقطاع ملتان کے لیے نامزد ہوا۔ وہ بھی اس تغیر کی لِم سمجھ گیا جانے میں لیت و لعل کرتا رہا بعض مقربوں نے سلطان کے اشارہ سے کوئی چیز پلا کر اُس کا کام تمام کر دیا۔[1]

یہ شخص بڑا مدبر اور کارداں سردار تھا۔ مگر سلطنت کی ہوس اُس کے حق میں آخرکار زہر کا گھونٹ بن گئی۔

خسرو کی ملازمت کا حال بر سبیل اجمال

امیر صاحب دورِ معزی سے پہلے ملوک و خوانین کے ندیم اور درباری شاعر رہ چکے تھے اور ان کے کمال سخنوری کا شہرہ ایران و توران تک پہونچ لیا تھا۔

وہ اوّل اوّل ملک چھجو کے ندیم دلی میں رہے پھر شہزادہ بغرا خاں کے ندیم سامانہ میں رہے اور اُس کے ہمراہ سفر بنگال کیا۔ جب یہ شہزادہ سلطانِ لکھنوتی بنایا

---

[1] تاریخ برنی و بدایونی ۱۲

گیا تو امیر صاحب ترک ملازمت کر کے دلّی واپس چلے آئے بعد ازاں قاآنِ ملک سلطان محمد خاں کے پاس دربار ملتان میں رہے جس معرکے میں سلطان محمد خاں شہید ہوا خسرو اسیر مغل ہو گئے اس قید سے کسی طرح رہا ہو کر دلّی آئے۔ پھر اپنی والدہ اور عزیزوں کے ساتھ پٹیالی چلے گئے اور وہاں اُس زمانے تک مقیم رہے کہ سلطان معزالدین کیقباد تخت نشین ہوا اور اُس نے امیر صاحب کو دلّی بلایا لیکن اس اندیشہ سے کہ ملک نظام الدین ان کا مخالف تھا دربار معزّی میں جانا خلاف مصلحت سمجھا اور اس خطرہ سے بچنے کے لئے حاتم خاں خان جہاں کے پاس چلے گئے اور اُس کی ندیمی اختیار کر لی۔

حاتم خاں خان جہاں سلطان بلبن کا مولا زادہ اور نامور سردار تھا۔ یہ امر تحقیق نہیں ہوا کہ جس وقت خسرو خانِ جہاں کے دربار میں گئے تو وہ کہاں تھا؟ اور کس عہدہ پر تھا؟ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ اودھ ہی میں کسی عہدہ پر تھا اور اودھ کے مجمع میں وہ اور اُس کے ساتھ خسرو بھی موجود تھے قصائد خسرو میں ایک قصیدہ ہے جو دربار اودھ کی تہنیت میں انشا کیا گیا ہے اِس قصیدہ سے بھی خانجہاں اور خسرو کا اس موقع پر موجود ہونا قرینِ قیاس ہے۔

سلطان ناصر الدین اور کیقباد کی دوسری ملاقات کے ذکر میں امیر صاحب فرماتے ہیں۔

صفِّ حریفاں زدو جانب قطار   ہر یک از ایشاں ملک نامدار

بانگِ ندیمانِ قصیدہ سرا | باز رسانیدہ سخن بر سما

اس مجلس میں کہ دونوں بادشاہ وملوک وامرا موجود تھے شعرا نے اپنے قصیدے سنائے غالباً طوطی ہند نے بھی اپنا قصیدہ سنایا ہوگا اس قصیدہ کے منتخب اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

قصیدہ

زہے! ملک خوش چوں دو سلطاں یکے شد | زہے عہد خوش چوں دو پیماں یکے شد
دو چتر از دو سو سر بر آورد از در | زمیں زاں دو ابرِ دُر افشاں یکے شد
پسر بادشاہ و پدر نیز سلطاں | کنوں ملک بیں چوں دو سلطاں یکے شد
زبہرِ جہاں داری و بادشاہی | جہاں را دو شاہِ جہانباں یکے شد
یکے ناصرِ عہد محمود سلطاں | کہ فرمانش در چار ارکاں یکے شد
دگر شہ معز جہاں کیقباد ے | کہ در ضبطش ایران و توراں یکے شد
بدیو و پری گوے اے باد! کاینک | دو وارث بملکِ سلیماں یکے شد
کنوں روے در چیں نہیا رند ترکاں | بہندوستاں چوں دو خاقاں یکے شد
بروں شد دوئی از سرِ ترک و ہندو | کہ ہندوستاں با خراساں یکے شد
بصد میہمانی صلا داد عالم | چو بر خوانِ شاہی دو مہماں یکے شد

خانِ جہاں کو اقطاع اودھ کی حکومت ملی | امیر صاحب اسی مثنوی میں فرماتے

ہیں کہ جب لشکر کیقباد اودھ سے واپس چلا اور کنت پور کی حد میں پہونچا تو خان جہان کو اقطاع اودھ کی حکومت عطا ہوئی خسرو تو پہلے ہی سے اُس کے ملازم تھے اور وہ ان کا بڑا قدر دان و محسن تھا اِس لئے اُس کے ساتھ اودھ میں رہنا پڑا۔

باعَلَمِ فتح دراں راہِ دور ۔۔۔ سایہ فشاں شد بحدِ کنت پور
خانِ جہاں حاتمِ مفلس نواز ۔۔۔ گشت باقطاعِ اودھ سرفراز
از کفِ جود و کرمِ حق شناس ۔۔۔ کرد فراہم سپہِ بے قیاس
من کہ بُدم چاکرِ او پیش ازاں ۔۔۔ کرد کرم آنچہ کہ بد پیش ازاں
تا زچناں بخششِ خاطر فریب ۔۔۔ بندہ شدم لازمۂ آں رکیب
در او دم بُرد ز لطفے چناں ۔۔۔ کیست کہ از لطف بتابد عناں؟
غربت از احسانش چنانم گذشت ۔۔۔ کم وطنِ اصل فراموش گشت
در اودھ از بخششِ او تا دو سال[1] ۔۔۔ ہیچ غمِ[کرد مرا] نالہ نبود از منال

خسرو کی رخصت دربار خان جہاں سے

امیر صاحب کو وطن سے جدا ہوے قریب دو سال کے ہو گئے تھے مادر مہربان اُن کے فراق میں بے تاب تھیں پیہم خطوط بھیجتی تھیں کہ جلد آؤ۔ اُن کا دل بھی وطن کی یاد

---

[1] اِس شعر میں قیام اودھ دو سال بیان کیا ہے لیکن یہ عرصہ کیقباد کی روانگی کے بعد سے اگر شمار کیا جائے تو حساب بالکل غلط بیٹھتا ہے۔ البتہ ۶۸۶ھ سے دو سال شمار ہو سکتے ہیں جبکہ خسرو خان جہاں کی ملازمت میں داخل ہوئے ہیں ۱۲

میں بیقرار تھا مگر خانِ جہاں کے احسانات نے اُن کے لب پر مُہرِ خاموشی لگا رکھی تھی۔

آخرکار خانِ جہاں سے والدہ کی تاکید اور اپنی حالت عرض کی اُس نے بخوشی دل جانے کی اجازت دیدی اور دو کشتیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی بطور زادِ راہ پیش کیں۔

من ز پئے شرمِ خداوندِ خویش — رفتہ ز جاے خود و پیوندِ خویش
مادرِ من پیرزنِ سبحہ سنج — ماندہ بدہلی ز فراقم برنج
روز و شب از دوریِ من بیقرار — سوختہ داغِ منِ خامکار
در غم و زاری ز جدا ماندنم — نامہ نویساں ز پئے خواندنم
گرچہ دلم ہم زغمش بود ریش — چند گہے راہ ندادم بخویش
چوں کششِ سینہ زغایت گذشت — ق — باعثہ دل زنہایت گذشت
حالِ خود و نامۂ اُمید وار — باز نمودم بخداوندگار
داد اجازت برضاے تمام — تا نہم اندر رہِ مقصود گام
خرجِ رہم زاں کفِ دریا اثر — گرم رواں کرد دو کشتیِ زر
تا زچناں بخششِ مفلس پناہ — شکر کناں پاے نہادم براہ

خسرو کی روانگی اور دلی پہونچنا

اب خسرو کمرِ ہمت باندھ کر اودھ سے چل کھڑے ہوئے۔ غم مادرؑ زادِ سفر ہے اور شوقِ وطن بدرقۂ راہ چلتے چلتے ایک مہینے

میں دلّی پہونچے وطن کے درودیوار کو دیکھکر اور دوست آشناؤں سے ملکر دل باغ باغ ہوا۔

پیاری اماں کے قدموں پر سر رکھدیا۔ اُس غم زدہ نے رو رو کر پیار کیا کلیجہ میں ٹھنڈک پڑی۔ بیٹے کے بخیر و عافیت پہونچنے کی منت مان رکھی تھی اب مراد پوری ہوئی تو وہ منت بھی پوری کی۔

شوق کشاں کرد گریبانِ من — گریہ زدہ دست بدامانِ من
حاملِ خوں کرد غمِ مادرم — زادِ ہمیں بود براہ اندرم
قطع کناں راہ چو پیکانِ تیز — بلکہ چو تیر آمدہ اندر گریز
یک مہِ کامل بکشیدم عناں — راہ چنیں بود و کشش آنچناں
ہم چو مہِ عید خوش و شاد بہر — در مہِ ذیقعدہ رسیدم بشہر
خندہ زناں ہمچو گلِ بوستاں — چشم کشادم برخِ دوستاں
مرغِ خزاں دیدہ بہ بستاں رسید — تشنہ بسر چشمۂ حیواں رسید
مُردہ دل از حالِ پریشانِ خویش — زندہ شد از دیدنِ خویشانِ خویش
دیدہ نہادم بہزاران نیاز — بر قدمِ مادرِ آزرم ساز (مہربان ۱۲)
مادرِ من خستۂ تیمارِ من — ق چوں نظر افگند بدیدارِ من
پردہ ز روئے شفقت برگرفت — اشک فشاناں ببرم درگرفت
داد سکونے دلِ آشفتہ را — کرد وفا نذرِ پذیرفتہ را

خسرو دربار معزی میں | خسرو شعرا کو دلّی پہونچے دو ہی دن گذرے تھے کہ سلطان معزالدین کیقباد کو اُن کے آنے کی خبر لگی فوراً حاجب سلطانی دوڑا آیا کہ چلیے حضور نے یاد فرمایا ہے۔

یہ اُٹھے اور چلنے کی تیاری میں مصروف ہوئے اسی روا روی میں ایک مدحیہ قصیدہ بھی مرتب کر لیا۔

مجلس خانۂ سلطانی میں پہونچکر آداب بجالائے مگر دل میں دھکڑ پکڑ تھی (شاید اس خیال سے کہ پٹیالی میں جو فرمانِ طلب پہونچا تھا اُس کی تعمیل نہیں کی تھی) خیر قصیدہ جیب سے نکالا اور بلند آواز سے پڑھ کر سنایا۔

قصیدہ

منت ایزد را کہ شہ بر تختِ سلطانی نشست — در دماغِ سلطنت بادِ سلیمانی نشست

شہ معزالدین والدّنیا کہ از دیوانِ غیب — نام او بر نامۂ دولت بعنوانی نشست

کیقباد آں گوہرِ تاجِ کیاں کز زخمِ تیغ — باج از ایراں بستد و بر تختِ تورانی نشست

بخت را بنمود کایں پیشانیِ دولت کراست؟ — تاج زر میش کہ بر بالائے پیشانی نشست

قصۂ دریا نگر بر گوہرِ والائے خویش — تا بگستاخی چرا بر تاجِ سلطانی نشست؟

بر سرش چوں سائباں شد چتر می گفت آسماں — سایہ را دیدی کہ با خورشیدِ نورانی نشست

تیز نتواند بعالم دیدن اکنوں آفتاب — چوں ز چترش عالمے در ظلِّ سلطانی نشست

انس و جاں از مہر گردوں در خیالِ افتادہ اند — مہر او تا در خیالِ انسی و جانی نشست

تا غبار بادپایش چشمِ جاں را سرمہ داد — خاک را بر منتِ ہر دیدہ تابانی نشست
از زبانِ تیغ تا از بہرِ سر ہا شانہ ساخت — در سرِ ہر کس کہ بد موئے پریشانی نشست
روزِ ہیجا از خیالِ ناوکِ ترکانِ او — نیستانی در دلِ شیرِ نیستانی نشست
در دلِ بدخواہ پیکانش کہ از خوں لعل گشت — گوئیا در سنگِ خارا لعلِ پیکانی نشست
ابرِ دستا! داد در دستت خدا تیغے چو آب — تا غبارِ کافر از راہِ مسلمانی نشست
چوں بہ تختِ سلطنت بنشستی از حکمِ ازل — تا ابد بنشیں کہ آنجا ہم تو میدانی نشست
زاں کمرہائے مرصع کز تو بربستند خلق — ہر بزرگے تا کمر در گوہرِ کانی نشست
ابر صد بار آبروئے خویش را بر خاک ریخت — پیشِ ابرِ دستِ تو کاندر دُر افشانی نشست
بر درِ قصرِ چو فردوسِ تو رضوانِ بہشت — شاخِ طوبیٰ را عصا کرد و بدربانی نشست
دید قصرِ شاہ را با برجِ جوزا ہم کمر — بندہ خسرو چوں عطارد در ثنا خوانی نشست

چشمِ تو بیدارِ دولت باد تا از عونِ بخت!
جملہ بیداراں بخسپند و تو بتوانی نشست

بادشاہ کو ان کا کلام ایسا پسند آیا کہ تمام شعرائے دربار اُس کی نظر میں ہلکے پڑ گئے از راہ بندہ پروری ان کا وظیفہ مقرر کیا اور دو بدرے درم کے نقد عنایت فرمائے اور اپنے ندیمانِ خاص کے زمرے میں منسلک کر لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

بعد دو روزے کہ رسیدم ز راہ — زآمدنم زود خبر شد بشاہ
حاجبے آمد بشتابِ بندگی — داد نویدم بصفِ بندگی

خاستم و برگِ شدن ساختم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ محمد تے تازہ بہپر واختم

رفتم و رُخسارہ نہادم بخاک ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تن ادب آموز و دل اندیشناک

نقش طراز[مقصد و مدحیہ ۱۲] دیدہ کشادم زبند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کردمش انشا[پڑھنا ۱۲] و بآبانگِ بلند

شہ چو دُرِ چیدۂ من دیدہ تر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مُہرہ بچید از نُدماے دگر

داد باحسان رہی بردرم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جامگی[تنخواہ ۱۲] خاص و دو بدرہ درم

کیقباد کی فرمایش

جب بادشاہ اپنے بذل و کرم سے خسرو کو ممنون کر چکا تو ان کے کمال سخنوری کی ستایش کے بعد کہا کہ تمہارے فن سے ہماری بھی ایک غرض متعلّق ہے اگر تم فکرِ سخن کرو تو ہماری خواہش پوری ہوسکتی ہے۔ پھر ہم بھی اس کا اتنا صلہ دیں گے کہ آیندہ طلبِ مال و زر سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ خسرو نے عرض کیا کہ حضور والا! میں تو یہی ٹوٹی پھوٹی فارسی جانتا ہوں اگر اس سے وہ غرض پوری ہوسکے تو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا سلطان نے کہا "میری خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف گوارا کرکے میری اور میرے باپ کی ملاقات کا حال اور جو ماجرا میرے اور اُن کے درمیان گذرا ہے ایسی سحر بیانی سے نظم کرو کہ باپ کی مفارقت جس وقت مجکو پریشان کرے وہ نظم پڑھ کر دل کو تسلّی دے لیا کروں"

اتنا کہہ کر خازنِ دولت کو اشارہ کیا وہ خسرو کو اپنے ساتھ لے گیا اور اشرفیاں اور خلعتِ شاہانہ دیا۔

گفت کہ "اے ختمِ سخن پروراں! ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ریزہ خورِ خوانچۂ تو دیگراں

از دلِ پاکت کہ ہنر پرورست | ہمت مارا طلبے در سرست
گر تو دریں فن کنی اندیشہ چیست | از تو شود خواستۂ من درست
خواستہ چندانت رسانم ز گنج | کز پئے خواہش نبری ہیچ رنج"
گفتمش "اے تاجورِ جم جناب! | بخت ندیدہ چو تو شاہے بخواب
من کہ بوَم داعیِ مدحت طراز | تا چو توے را بمن آید نیاز
باغ نہ از گل طلبد رنگ و بوے | ابر نہ از قطرہ بود آب جوے
حاصلم از طبعِ کژ و فکرِ سست | نیست مگر پارسیِ نادُرست
گر غرضِ شاہ بر آید بداں | دولتِ من روے نماید بداں"
گفت "چناں بایدم اے سحر سنج! | کز پئے من روے نہ پیچی ز رنج
جسمِ سخن را بہنر جاں دہی | شرحِ ملاقاتِ دو سلطاں دہی
نظم کنی جملہ بسحرِ زباں | قصۂ من با پدرِ مہرباں
تا اگرم ہجر در آرد زپاے | آیدم از خواندنِ آں دل بجاے"
ایں سخنم گفت و بگنجورِ جود | از نظرِ لطف اشارت نمود
بُرد مرا خازنِ دولت چو باد | مُہرِ زر و خلعتِ شاہانیم داد

تصنیفِ مثنوی چونکہ یہ الطافِ شاہانہ بغیر سابقہ خدمت تھے اِس لئے خسرو شرمندۂ احسان ہو کر بارگاہ سلطانی سے اپنے گھر آئے اب تو جو خدمت سپرد ہوئی تھی اُس کی بجاآوری فرض ہو گئی۔

کنج عزلت اختیار کیا اور سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ یار و مددگار تھے تو یہی قلم دوات اور کاغذ۔ ۳۶ سال کی عمر تھی اور فکر سخن کا دریا جوش و خروش پر۔ تین مہینے تک شب و روز محنت کر کے مثنوی کا خاکہ کھینچ لیا اور تین مہینے اُس کی کتابت و آرایش و پیرایش میں صرف کئے۔ غرض کہ چھ مہینے میں اس مثنوی کو سلطان معزالدین کیقباد کے مطالعہ کے قابل بنا دیا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور سنہ ۶۸۸ھ۔

از درِ شہ با ہمہ شرمندگی — آمدم اندر وطنِ بندگی
خم شدہ از بارِ گہر گردنم — فرض شدہ خدمتِ شہ کردنم
گوشہ گرفتم ورقِ دل بدست — عقل سراسیمہ و اندیشہ مست
روی نہاں کردم از ابنای جنس — نے علیم بلکہ خود از جن و انس
آبِ معانی ز دلم زاد زود — آتشِ طبعم بقلم داد دود
چوں بتوکل شدم اندیشہ سنج — سینۂ خاکیم بروں داد گنج
ہمّت مردانہ بہ بستم بکار — ریختم از خامہ دُرِ شاہوار
باز نیامد قلمم تا سہ ماہ — روز و شب از نقش سپید و سیاہ
تا ز دلِ کم ہنر و طبعِ سست — راست شد این چند خطِ نادرست
ساختہ گشت از روشِ خامہ — از پسِ شش ماہ چنیں نامہ
در رمضان شد بسعادت تمام — یافت قِراں نامۂ سعدین نام
آنچہ بتاریخ ز ہجرت گذشت — بود سنہ شش صد و ہشتاد و ہشت
۶ ۸ ۸

۳۶

سالِ من امروز اگر بر رسی — راست بگویم همہ شش بود وسی

زیں نمط آراستہ بکرے چو ماہ — باد قبولِ دلِ دانائے شاہ

خاتمۂ مثنوی

خسرو نے اس مثنوی کا ایک طولانی خاتمہ لکھا ہے جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے۔ اُس کے مطالعہ سے اس مثنوی کی نسبت اور حضرت خسرو کی عادات و اخلاق کے بارے میں بعض مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان معلومات کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں:-

اپنی محنت

اس مثنوی کی تصنیف میں خسرو نے جو محنت اٹھائی ہے اُس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ یہ مضامین میں نے خونِ جگر پی کر اور پیشانی کا پسینہ بہا کر پیدا کئے یہ مجھکو ایسے عزیز ہیں کہ کبھی ان کو جگر میں رکھتا ہوں کبھی پیشانی پر جگہہ دیتا ہوں۔

کس چہ شناسد کہ چہ خوں خوردہ ام — کایں گہر از حقّہ برآوردہ ام

ساختہ ام ایں ہمہ لعل و گہر — از خوے پیشانی و خونِ جگر

تا نہم از فکرتِ پنہانیش — گہ بجگر گاہ بہ پیشانیش

تعداد اشعار مثنوی

اس مثنوی کے اشعار کی نسبت فرماتے ہیں کہ میں نے اوّل بار گنتی نہیں کی تھی اُن میں سے کسی قدر کم ہوگئے ہیں اب حساب کرکے امانت دار لوگوں کو ایک مثنوی سپرد کر دی ہے اُس کے مقابلہ سے کمی و بیشی کا اندازہ ہو سکے گا۔

تین ہزار نو سو چوالیس ۳۹۴۴ بیتیں ہیں۔ ناظرین سے درخواست کی ہے کہ ان میں سے کوئی بیت کم نکریں کیونکہ اس شخص کو بڑی تکلیف ہوتی ہے جس کا فرزند گم ہو جاتا ہے :۔

من چو نکردم عددش از نخست　　گم شد و سرمایہ نماندش درست
گشت ضرورت کہ کنونش بعقد　　بستم و دادم بامینانِ نقد
تا چو دریں بنگری اے ہوشمند!　　بیش و کمش باز شناسی کہ چند
ورز جمل بازکشائی شمار　　نہ صد و چار و چہل و سہ ہزار
خواہش از خامہ زنانِ گزیں　　آنکہ نگردد ورقے کم ازیں
زانکہ خراشیدۂ مردم بود　　آہ کسے اِکش خلفش گم بود

اس بیان سے یہ بھی ایک نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خاتمہ اختتام مثنوی سے ایک مدت بعد لکھا گیا ہے۔

وصف نگاری

وصف اشیا کی نسبت کہتے ہیں کہ "کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ صفات اشیا بیان کرکے اُس کا نام مجمعِ اوصاف رکھوں طرزِ سخن میں یہ ایک نئی ایجاد ہو گی چنانچہ اس مثنوی کے ضمن میں وہ خیال پورا کیا ہے آیندہ اِس مضمون پر قلم اُٹھانے کا ارادہ نہیں ہے"

بود در اندیشۂ من چند گاہ　　ق　　کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آبش دہم　　مجمعِ اوصاف خطابش دہم

باز تمامِ صفتِ ہر چہ ہست | شرح دہم معرفتِ ہر چہ ہست
طرزِ سخن را روشِ نو دہم | سکّۂ ایں ملک بخسرو دہم
آنچہ ز سرجوشِ دلِ نقشبند | ق | معنیٔ نو بود و خیالِ بلند
موے بمویش بہنر بیختم | پختہ و سنجیدہ در و ریختم
زیں پس اگر عمر بود چندگاہ | ق | کم ہوس آید بسفید و سیاہ
رنگِ زیادت نہ دہم خامہ را | سادہ تریں نقش کنم نامہ را
کانچہ ہمی شد بدلم خار خار | یافت دریں گلشنِ رنگیں نگار

صلۂ مثنوی سے استغنا

اس مثنوی کے صلہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ "بادشاہ نے صلۂ وافر کا وعدہ کرکے مجکو اس کام پر آمادہ کیا تھا۔ مگر میں نے اُسکی طمع میں یہ مثنوی نہیں لکھی ہے میرا سخن بجاے خود ایک خزانہ ہے اُس کے سامنے گنجِ زر کی کیا حقیقت ہے اگر بادشاہ کچھہ عطا کرے گا تو میں لے لوں گا۔ نہ دے گا تو مجھ کو کچھہ پرواہ نہیں۔ شاعری کی بدولت مجھ کو جو صلہ ملتا ہے اُس کو وہ چند کرکے مستحقین میں تقسیم کردیتا ہوں"

"اوّل مرتبہ جو بادشاہ نے کرم کیا تھا وہ بھی اس محنت کا معاوضہ نہیں ہوسکتا سب جانتے ہیں کہ اتنے موتی دو تین بدرہ زر کے مقابلے میں کون دیتا ہے۔ اگر سلطان مجکو فریدوں و جمشید کا سا خزانہ بھی عطا فرماے تو میرے ایک حرف کا صلہ نہوگا میرا اصلی مقصد تو بقاے نام ہے جو کوئی اس مثنوی کو دیکھے گا مجکو یاد کریگا

گرچہ شہ از بہرِ چنیں نامۂ / داد مرا گرمیِ ہنگامۂ
نزپئے آں شد قلمِ سحر سنج / کز پئے ایں مار نشینم بہ گنج
من کہ نہادم ز سخن گنجِ پاک / گنجِ زر اندر نظرم چیست؟ خاک
گر دہدم تاجورِ سربلند / دُرِ نتواں باز بدریا فگند
ور نہ دہد زآنِ خودم رائگاں / رنجہ نکردم چو تہی مائگاں
یک جو ازیں فن چو بداماں نہم / دہ کنم آں را و بصد تن دہم
شیرم و رنج از پئے یاراں برم / نے چو سگِ خانہ کہ تنہا خورم
ایں ہمہ شہرت نہ بداں کردہ ام / کآب ز دریائے کرم خوردہ ام
ہر ہمہ دانند کہ چندیں گہر / کس نفشاند بدو سہ بدرہ زر
ور دہدم گنجِ فریدون و جم / ہدیۂ یک حرف بود۔ بلکہ کم

اس بیان سے منکشف ہوتا ہے کہ جس وقت تک یہ خاتمہ لکھا گیا سلطان نے حسب وعدہ اس مثنوی کا صلہ نہیں دیا تھا مگر خسرو نے فردوسی کی طرح مذمت کا زہر نہیں اُگلا بلکہ صرف اپنا استغنا ظاہر کیا ہے۔

دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ خسرو میں صفت ایثار اعلیٰ درجے کی تھی فکر سخن کی محنت دوسروں کے فائدہ کی غرض سے گوارا کیا کرتے تھے۔

دزدانِ معنیٰ کی شکایت

پھر کہتے ہیں کہ "وصف نگاری میں جو میں نے تازہ مضامین پیدا کیے وہ میری ہی افکار کا نتیجہ ہیں اگلے شعرا کی تقلید نہیں ہے

مگر میں تازہ مضامین زبان پر لانے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ لوگ سنتے ہی چوری کر لیتے ہیں اور لطف یہ کہ خود مجھ سے ہی اُس کی داد چاہتے ہیں میں شرماتا ہوں اور ان کی تعریف کر دیتا ہوں مگر وہ چور ہو کر بھی ذرا نہیں شرماتے ۔"

هر صفتے را کہ برانگیختم　　شعبدۂ تازہ در در ریختم

مور شدم بر شکرِ خویش و بس　　در نزدم دست بحلوائے کس

دزد نیم خانہ بُرِ دیگرے　　خانہ کشادہ ز درِ دیگرے

ہر چہ کہ از دل دُرِ مکنوں کشم　　زہرۂ آں نیست کہ بیروں کشم

زانکہ نگہ می کنم از ہر کراں　　ایمنیم نیست ز غارت گراں

دزدِ متاعِ من و با من بجوش　　شاں بزباں آوری و من خموش

نقدِ مرا پیشِ من آرند راست　　من کنم احسنت کز آنِ شماست

شرم ندارند و بخوانند گرم　　با من و من ہیچ نگویم ز شرم

طرفہ کہ شان دزدِ من از شرم پاک　　حاجب کالا من و من شرمناک

معارضین کا ذکر خسرو نے اپنے معارضین کا ذکر نہایت سنجیدگی و تحمّل کے ساتھ کیا ہے :-

آنکہ بنقصانِ خیالِ منند　　جملہ گواہانِ کمالِ منند

بر ہنر آید ہمہ را گفت و بس　　بے ہنراں را نکند یاد کس

در سخن افتد ہمہ را پیچ پیچ　　چوں سخنے نیست چگویند؟ ہیچ

آنکہ ورا ور سخن آوازہ بیش | زخم زناں بروے زاندازہ خویش
ہر گل و خارے کہ رسد زیں خیال | بے خوش ازاں گردم و نی رنجہ زال
ہر چہ ستایش کند مرد ہوش | گرچہ بود راست نیارم بگوش
زانکہ چو زیں فن بسے بر رفتم | ترسم ازیں مرتبہ دور اوفتم
چرب زبانی نبود سودمند | طفل بود کش بفریبی بہ قند
آنکہ شناسندۂ ایں گوہرست | گر ہمہ نفریں کند م درخورست

حسّاد کا ذکر خسرو کی شہرت اور کلام کی خوبی دیکھ کر جو لوگ جلے مرتے تھے اُن کا ذکر بھی نہایت ٹھنڈے دل اور حکیمانہ انداز سے کیا ہے۔

باز کسے را کہ حسد رہ زند | زخمہ دریں رہ نہ بسے کہ زند
گر مثل صد ہنر آرم ز غیب | ہیچ نگاہے نکند جز بعیب
صد سخنِ راست نگیرد بہیچ | یک رقمِ کژ کند انگشت پیچ
گر بہ ازیں ہست گہر سفتنش | عیب بود عیب کساں گفتنش
ورکم ازیں مایہ رسیدش ز غیب | طفلِ رہِ ماست ز طفلاں چہ عیب؟

مدح گوئی سے بیزاری اور محتشمانِ زمانہ کی شکایت خسرو شعرا نے دَورِ معزّی کے اُمرا پر سختی کے ساتھ لے دے کی ہے۔ مگر کسی خاص شخص پر حملہ نہیں کیا بلکہ عام شکایت ہے۔

تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ اِس عہد میں اکابر و معارف اور شریف النفس اُمرا

وملوک عزلت گزیں ہو گئے تھے۔ سفلے دون ہمّت اور رجاہ طلب بادشاہ کے مقرب اور کاروبار میں دخیل تھے یہ صاف گوئی خسرو کی دلیری اور اخلاقی جرات کی بیّن دلیل ہے۔

گرمی دل نیست چو حاصل مرا   سرد شد از آبِ سخن دل مرا
تا کے دریں شیوہ بہ ننگے شوم   بے غرض آماج خدنگے شوم
نام گدائے کنم اسکندرے   خلعت عیسیٰ فگنم بر خرے
محتشمانند دریں روزگار   مس بزرانند دہ ناقص عیار
کوردل از دولت و کوتہ نظر   دولتِ شاں از دلِ شاں کورتر
گوش گرانے ہمہ ناموس جوے   سفلہ وش و دوں صفت و تنگ خوے
بے کرمے نام فروشی کنند   بے گہرے مرتبہ کوشی کنند
خوردہ بدرویش نیارند بیش   بیش رسانند بد انجا کہ بیش
گر برسانند دمِش، بر گدائے   یک درمے دہ طلبند از خدائے

پھر اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

ایں سخن چند کہ ہجو است ست   شاعری نیست ہمہ راست ست
لیک بخواہش چو مرا نیست راہ   جز بجدایا بدر بادشاہ
ہر چہ بگفتم ز کسے باک نیست   زہر بخوردم غم تریاک نیست
نیت آں دارم ازیں پس بہ راز   کز درِ شہ نیز شوم بے نیاز

پشت بجویم نہ پناہے زکس　　چوں بخداوند کنم روے وبس

مثنویاتِ نظامی کی ثنا وصفت

امیر صاحب خواجہ نظامی گنجوی کو صنف مثنوی کا اُستاد کامل مانتے ہیں اِن کی مثنویات کی خوبیوں کے معترف ہیں اور اپنے لئے بہتر طریقہ نظامی کی تقلید خیال کرتے ہیں

درہوسِ مثنویت در دل ست　　حل کنم ایں بر تو کہ بس مشکل ست

در روشے کز تو نیاید مرو　　گفتِ بدم مشنو و نیکو شنو

نظمِ نظامی بہ لطافت چو دُر　　وز دُرِ او سر بسر آفاق پر

پختہ ازو شد چو معانی تمام　　خام بود پختنِ سوداے خام

بگذر ازیں خانہ کہ جاے تو نیست　　ویں رہِ باریک بہ پاے تو نیست

گفتۂ او را بشنو و گوش باش　　گفتِ مرا بشنو و خاموش باش

سحر وراے کہ درو دیدہ اند　　خامشیِ خویش پسندیدہ اند

مثنوی او راست ثناے بگو　　بشنوش از دور و دعاے بگو

در ہوست می نگذارد عناں　　می کشدت دل بخیالِ چناں

کوششِ آن کن کہ دریں راہِ تنگ　　زاں گلِ تر بوے دہندت نہ رنگ

سوزِ سخن را نہ بہ خامی طلب　　پختگیش ہم ز نظامی طلب

سوزِ تکلف خس و خاکستر ست　　　چاشنیِ سوختگاں دیگر ست

غزل سعدی کی ثنا و صفت

امیر صاحب صنفِ غزل میں سعدی کے معتقد و مداح اور مقلد ہیں۔

در غزلت یادِ جوانی دہد　　　وز خوشیِ صبح نشانی دہد

تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند　　　ہر چہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند

نوبتِ سعدی کہ مبادا کمن!　　　شرم نداری کہ بگوئی سخن

اس خاتمہ کی تصنیف کا زمانہ

اگر مصنف نے کچھ تصریح نہ کی ہو تو عام دستور کی مطابق یہ ہی خیال کیا جاے گا کہ خاتمہ کتاب اور اصل کتاب کی تسوید کا ایک ہی زمانہ ہے۔ لیکن تعداد اشعار مثنوی کے عنوان میں ہم اپنا شبہ ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ خاتمہ مثنوی سے ایک عرصہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

آگے چل کر ذیل کے اشعار صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت خسرو کی عمر چالیس ۴۰ سے گذر کر پچاس ۵۰ تک پہونچ گئی ہے مثنوی کہی تھی چھتیس ۳۶ سال کی عمر میں۔ تو خاتمہ چودہ برس بعد کا ہوا۔

امیر صاحب خود اپنی طرف سے خطاب کرتے ہیں :-

یک اگر پندِ من آری بگوش — مصلحت آن ست کہ مانی خموش
چل شد و در پنجہ بت آمد نشست — پیش ہمیں بیش کہ اُفتی بہ شست
نوبت توبہ ست گرانی مکن — روے بہ پیری ست جوانی مکن

لیکن اس خاتمہ کا آخر صفحہ جہاں اس مثنوی کی نسبت چند دعائیں مانگی ہیں، اور سلطان کیقباد کے حضور میں اُس کی مقبولیت اور شہرت کی توقع ظاہر کی ہے، خاتمہ کی نسبت پھر اُلجھن پیدا کرتا ہے :-

بار خدایا! منِ غافل بہ راز — ق — ایں ورقِ سادہ کہ بستم طراز
گرچہ کہ امروز جمالِ من ست — عاقبت الامر وبالِ من ست
عفو کن آں را کہ بنائے نیست — توبہ دہ از ہرچہ برائے تو نیست
چوں ز تو شد ایں ہمہ ناچیز چیز — ہم تو کنی در دلِ خلقے عزیز
عیب شناساں کہ کمینِ من اند — بے ہنراں جملہ بہ کینِ من اند
تو بکرم عیبِ منِ عیب کوش — در نظرِ عیب شناساں بپوش
بوکہ برآرد بہ چنیں نامہ نام — بر درِ شہ خدمتِ من والسلام

یہ اخیر شعر اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ابھی سلطان کیقباد زندہ ہے۔ تو یہ اُسی زمانے کی تحریر ہے جب کہ مثنوی لکھی گئی ہے۔

ان اختلافات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ خاتمہ کا آخر حصہ مثنوی کے

ساتھ ساتھ لکھا گیا اور پہلا حصہ بعد میں اضافہ کیا ہوگا جب کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی عمر ۵۰ سال کی ہوگئی تھی۔

کیقباد کا انجام کیقباد جب اودھ سے روانہ ہوا تھا تو باپ کی نصیحتیں چند روز یاد رکھیں راگ رنگ کی تعطیل کردی۔ تسبیح و مصلیٰ سنبھالا۔ مگر رباب نشاط کی فوج قاہرہ لشکر کے ہمراہ چلی آتی تھی جس نے ہفتہ عشرہ ہی میں سلطان کو مغلوب کرلیا۔ اور اثنار سفر ہی میں توبہ ٹوٹ گئی[لہ]

آفتِ زہد و توبہ شد ترک شراب خوارِ من   یار گر او ست کے بود توبہ و زہد یارِ من

دلّی میں سامانِ شوق کی کیا کمی تھی۔ جو مشاغل پہلے تھے وہی اب تھے اس رندی و بادہ خواری نے عین جوانی میں اُس کو پیرِ ناتواں بنا دیا۔ عوارضِ جسمانی لاحق ہوئے۔ آخر کار لقوہ اور فالج نے حس و حرکت سے معذور کردیا۔ کچھ عرصہ تک علاج ہوتا رہا۔

اوائل ۶۸۹ھ میں دم واپسیں آپہنچا اور اُس کی عبرت انگیز شمعِ زندگی گل ہوگئی اور سلطنت بھی ہمیشہ کے لئے ترکوں کے خاندان سے خلجیوں میں منتقل ہوگئی۔

یہ مثنوی کیقباد نے بڑے شوق سے تصنیف کرائی تھی۔ معلوم نہیں اس کی سیر نصیب ہوئی یا نہیں۔ غالباً مرض الموت کی تکلیفات نے اُس کو

لہ تاریخ برنی و بدایونی ۱۲

مثنوی کا صلۂ موعود دینے سے باز رکھا۔ اگر دیا ہوتا تو خسرو علیہ الرحمۃ اُس کا ذکر شکریہ کے ساتھ دیباچہ غرۃ الکمال میں ضرور کرتے جہاں سلطان کیقباد کی وفات کا تذکرہ کیا ہے۔

کلام پر ایک نظر

اب تک ہم نے اس مثنوی کے اصل قصے اور اُس کے متعلقات پر نظر کی ہے۔ ابھی اس مثنوی کی نظم و ترتیب اور محاسن کلام کا مطالعہ کرنا باقی ہے یہ کام اب شروع کرتے ہیں و ماتوفیقی الا باللہ

خصائص مثنوی اس مثنوی کی ترتیب میں چند خصوصیات ایسی ہیں جن سے شعرائے عجم کی مثنویات خالی ہیں۔ لیکن یہ خصوصیات لوازم مثنوی میں شمار نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ یہ خسروؒ کی جدت آفرینی ہے کہ اس مثنوی کو دلآویز بنانے کی غرض سے اختیار کی ہے۔

(۱) نظم عنوان (۲) تضمین غزل (۳) وصف اشیا

نظم عنوان مثنوی میں اکثر قصص، تاریخ، اخلاق، تصوف یا کوئی خاص بیان کیا جاتا ہے اور جب مضمون طویل ہوتا ہے تو اُس کی تقسیم فصول و ابواب یا داستانوں میں کیجاتی ہے اور ہر فصل یا داستان کا عنوان نثر میں ہوتا ہے۔ یہ قدیم دستور ہے۔ مگر خسرو نے اس مثنوی میں ہر داستان کا عنوان بھی نظم کیا ہے۔ اگر کل اشعار عنوان جمع کیجئے تو ایک قصیدہ ۲۳ شعر کا مرتب ہو جائے گا جس کی بحر مثنوی کی بحر سے مختلف ہے اور بحر ایسی اختیار کی ہے جس میں مضمون عنوان کی گنجائش بخوبی ہو سکتی ہے چند

اشعار عنوان بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں ؂

شکر گویم کہ بتوفیقِ خداوند جہاں ۔۔۔ بر سرِ نامہ زحید نوشتم عنوان
نامِ ایں نامہ والا ست قران السعدین ۔۔۔ کز بلندیش بسعدین سپہر ست قران
در تضرع بدرِ حق کہ گنہگاراں را ۔۔۔ داد بارانِ گنہ شوے زعینِ غفران
نعتِ سلطانِ رسل آنکہ مسیحا بدرش ۔۔۔ پردہ داری ست نشستہ زپسِ شادروان
وصفِ معراجِ پیمبر کہ لشب روشن شد ۔۔۔ سر اسرائش[1] ز زلفِ سیہ مشک فشاں
مدحتِ شاہ کہ نامش بفلک رفت چنانکہ ۔۔۔ نقشِ آں داغ شدہ خنگِ فلک را بر ران
در خطابِ شہِ عالم کہ بسلکِ خدمش ۔۔۔ آیم واین گہرِ چند فشانم ز زباں
صفتِ حضرتِ دہلی کہ سوادِ اعظم ۔۔۔ ہست منشورِ شرف ازحرسہا اللہ نشاں
صفتِ مسجد جامع کہ جہاں ست درو ۔۔۔ شجرۂ طیبہ ہر سوے چو طوبیٰ بجناں
صفتِ شکل منارہ کہ ز رفعت سنگش ۔۔۔ از پۓ خنجرِ خورشید شدہ سنگ فشاں
صفتِ حوض کہ در قالبِ سنگیں گوئی ۔۔۔ ریختہ دستِ فلک زر آبِ خضر صورتِ جاں

اس دسویں عنوان کے تحت میں اوّل تو صفتِ شہر کی طرف بازگشت ہے جس کا بیان عنوان ہفتم میں بھی ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں کئی اور مضمون بلا عنوان ہیں مثلاً صفت مردم شہر۔ کیقباد کی تخت نشینی۔ ناصر الدین کی لشکر کشی اور دہ یہ۔ اور یہ بات اور جگہ بھی پائی جاتی ہے کہ صفت نگاری کے بعد اصل قصے کو بلا عنوان

---

[1] اشارہ ہے اس آیۂ کریمہ کی طرف سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام ۱ لخ لفظ اسریٰ جو اس آیت میں آیا ہے فعل ماضی ہے جس کا مصدر اسرا ہے جس کے معنی ہیں بشب راہ رفتن۔ راتوں رات چلنا